”نو لکھی کوٹھی“ : تحقیقی و تنقیدی جائزہ

"Nao Lakhi Kothi": Research and Critical Review

[i] ڈاکٹر راشدہ قاضی [ii] ڈاکٹر نازیہ راحت

Abstract:

Ali Akbar Natiq is a younger but a mature Urdu novelist. Nao lakhi Kothi is his first and most popular novel. This novel highlights British Rule, policies. Political, social and economic condition of native people in Subcontinent. The situation after partition is also discussed in the novel. This novel highlights many dimensions of inner and outer world of persons. The theme and technique of this novel is unique so it can be easily placed in classics novels despite of some historical mistakes.

Keywords: *Urdu Novel, Post-Colonial era, Nao Lakhi Kothi, Ali Akbar Natiq.*

علی اکبر ناطق ایک پختہ اردو ناول نگار ہیں۔ نولکھی کوٹھی ان کا پہلا اور مقبول ناول ہے۔ یہ ناول برطانوی راج، پالیسیوں، برصغیر کے مقامی لوگوں کی سیاسی، سماجی اور معاشی حالت پر روشنی ڈالتا ہے۔ ناول میں تقسیم کے بعد کے حالات پر بھی بحث کی گئی ہے۔ یہ ناول افراد کی اندرونی اور بیرونی دنیا کی بہت سی جہتوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس ناول کا موضوع اور تکنیک منفرد ہے اس لیے کچھ تاریخی غلطیوں کے باوجود اسے کلاسیکی ناولوں میں آسانی سے رکھا جا سکتا ہے۔

کلیدی الفاظ: اردو ناول ، مابعد نوآبادیاتی تناظر ، نو لکھی کوٹھی ، علی اکبر ناطق۔

ادب میں ناول کی صنف قدیم ہے لیکن اردو میں یہ صنف اتنی قدیم نہیں ہے۔ اردو میں ناول کا آغاز ڈپٹی نذیر احمد (۱۸۳۶ء۔ ۱۹۱۲ء) کے ناول ”مراۃالعروس“ (۱۸۶۹ء) سے ہوتا ہے اس کے بعد کے آنے والے وقتوں میں مختلف موضوعات کے حوالے سے ناول کی صنف بتدریج ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اپنے ادبی سفر کی طرف گامزن ہے۔

ناول افسانے کے برعکس زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے اور اس کا پلاٹ حقیقت و مجاز کے امتزاج سے پروان چڑھتا ہے کردار، منظر اور اسلوب ناول کی بُنت میں عناصر ترکیبی کا درجہ رکھتے ہیں۔ سہیل بخاری اس حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

”دراصل یہ صنف افسانہ قدیم قصوں سے کوئی جداگانہ چیز نہیں ہے اس باب میں

[i] استاد، شعبہ اردو، غازی یونی ورسٹی، ڈیرہ غازی خان

[ii] استاد، شعبہ اردو، غازی یونی ورسٹی، ڈیرہ غازی خان (Corresponding Author)

ادیبوں کا ایک گروہ ناول کو قدیم مافوق الفطرت انسانوں سے مختلف الاصل قرار دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت نگاری اور صداقت شعاری اس کی تعریف کا لازمہ ٹھہرا دی گئی ہے لیکن حقیقت نگاری کے اس جذبے یا رجحان کی یہ شدت بجائے خود ایک التباس ہے جب تک حقیقت پر تخیلیت کا رنگ نہ چڑھایا جائے اس میں افسانویت نہیں پیدا ہو سکتی۔" (۱)

کسی بھی ناول کی تخلیق میں سماجی، تاریخی اور تہذیبی شعور کا ہونا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ تاریخی شعور کے بغیر پس منظر سے آگاہی کیسے ہو سکتی ہے اس طرح پیش منظر کے لیے سماجی شعور کا ہونا لازم ہے۔ ہر ناول اپنے ناول نگار کے شعور کا عکاس ہوتا ہے۔ پروفیسر علی احمد فاطمی سماج، تہذیب اور تاریخ کا ناول سے رشتہ یوں بیان کرتے ہیں :

"کسی کامیاب ناول کا سب سے اہم حصہ محض اس کی اسلوبیاتی پیش کش نہیں بلکہ اس فضا ماحول اور تہذیبی و سماجی پیش کش کا بھی ہوا کرتا ہے جہاں سے زندگی کی حقیقت، ارضیت اور ارضی ثقافت کے گل بوٹے پھوٹتے ہیں اور جس سے ناول کی اہمیت و معنویت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک مانوس ربط پیدا ہوتا ہے" (۲)

بطور ناول نگار اپنے پہلے ہی ناول "نولکھی کوٹھی" سے علی اکبر ناطق (پ۱۹۷۷ء) ایک منجھے ہوئے مصنف کے طور پر ادبی منظر نامے پر آئے ہیں۔ بطور تخلیق کار اس کا اگلا ناول "کماری والا" افسانوی مجموعے، شعری مجموعے اور دیگر تخلیقات منظر عام پر آچکی ہیں۔ زیر موضوع ناول میں وہ حالات کا غیر جانبداری سے تجزیہ کرتے ہوئے نتائج اخذ کرتا ہے۔ نولکھی کوٹھی کے بارے میں شمس الرحمان فاروقی کی رائے ملاحظہ ہو :

"ناطق کے لیے اب یہ حکم لگانا مشکل ہے کہ ان کی اگلی منزل کہاں تک جائے گی کہ وہ ہر بار وہ پہلے سے چونکاتے ہیں ان کے تمام کام میں تازگی ہے، روایت اور تاریخ کا شعور حیرت زدہ کرنے والا ہے جس طرح ان کا شعر اور پھر فکشن میں کام ہے اس سے پہلے ایسی روایت موجود نہیں ہے وہ شاعر بھی ہیں اور ناولسٹ بھی۔

ان کے فکشن میں پنجاب کی سرزمین میں غیر معمولی دلچسپی ان کے بیان میں غیر معمولی مہارت کا ثبوت دیتی ہے ناطق کی نثر سے مکالمہ اور بیانیہ کے نامانوس گوشوں پر ان کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ناطق کے فکشن کا قاری خود انسان اور فطرت کے پیچیدہ رشتوں، انسان اور انسان کے درمیان محبت اور آویزش کے نکات سے بہرہ اندوز ہوتا ہوا دیکھ سکتا ہے۔ علی اکبر ناطق سے اردو ادب جتنی بھی توقعات اور امیدیں وابستہ کرے نامناسب نہ ہوگا۔ان کا سفر بہت طویل ہے، راہیں کشادہ اور منفعت سے بھری ہوئی ہیں۔" (۳)

ناول چار سو اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہے اس ناول کا موضوع متحدہ ہندوستان کے وسطی پنجاب کے حالات، تہذیب و ثقافت اور پھر تقسیم کے نتیجے میں ہونے والے فسادات، قتل و غارت اور جائیداد کی ملکیت کے لیے بااثر افراد کا بہتی گنگا میں ہاتھ دھونا فرض عین کے طور پر دکھایا گیا ہے۔

کسی ناول کی مقبولیت کا اندازہ اس کی یکے بعد دیگرے اشاعت سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ زیر موضوع "نو لکھی کوٹھی" اشاعت اول: ۲۰۱۴ء، اشاعت دوم: ۲۰۱۵ء، اشاعت سوم: ۲۰۱۸ء، اشاعت چہارم: ۲۰۱۸ء، اشاعت پنجم: ۲۰۱۹ء، اشاعت ششم: ۲۰۲۰ء میں ہوئی۔

قارئین کی دلچسپی کے لیے سب سے اہم بات موضوع اور اسلوب ہے۔ اسلوب میں حقیقت نگاری کا رنگ کرداروں کو زندہ جاوید بنا دیتا ہے۔اس حوالے سے انتظار حسین کی رائے ملاحظہ ہو:

"علی اکبر ناطق کا فکشن حقیقت اور کہانی کے پیچیدہ پہلوؤں کو سامنے لے کر آتا ہے وہ دیہات اور اس کے کرداروں کی بازیافت کا آدمی ہے اور حقیقی طور پر "سن آف سوئل" ہے وہ احمد ندیم قاسمی کی طرح دیہات کا رومان پیش نہیں کرتا بلکہ کرداروں کو حقیقت کی زندگی عطا کرتا ہے۔" (۴)

ناول چھپن حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کے چار کردار اہم ہیں پہلا ولیم، دوسرا غلام حیدر، تیسرا سودھا سنگھ اور چوتھا مولوی کرامت۔ ان مرکزی کرداروں کے ساتھ ساتھ بہت سے ضمنی کردار بھی وقت اور ضرورت کے مطابق سامنے آتے ہیں۔

ناول کے آغاز برطانوی باشندے ولیم سے ہوتا ہے جو آٹھ سال بعد تعلیم مکمل کرنے کے بعد انگلستان سے ہندوستان بذریعہ بحری جہاز واپس آرہا ہے۔ وہ ہندوستان کو اپنا مادری وطن سمجھتا ہے کیوں کہ اس کا پر دادا گوگیرہ، دادا ہال ہائیڈ، والد جانسن یہاں پر ڈپٹی کمشنر کے عہدوں پر تعینات رہ چکے تھے اور اب وہ خود بطور اسسٹنٹ کمشنر واپس آیا تھا۔ وہ ماضی کے جھروکوں میں اپنے بچپن دوستوں اور رشتہ داروں کو دیکھ رہا تھا:

> ''آنکھوں کے پردوں پر وسطی پنجاب کی یادیں تصویریں بناتی چلی گئی مال روڈ پر موجود پر آسائش بنگلہ ماما ئیں، خادم اور دیگر ملازموں کی فوج ایک ایک کرکے یاد آنے لگی آٹھ سال کا عرصہ کم نہیں تھا جب وہ اپنے باپ ماں اور گھر سے دور انگلستان کی اکتا دینے والی تعلیم اور ٹھٹھرا دینے والی سردی کے گھروں میں بیٹھا انتظار کاٹتا رہا اور لڑکپن کی ہواؤں کو تصوّر میں لاتا رہا۔'' (۵)

ناول نگار نے نہایت ہنر مندی سے تاریخ اور ناول کے فن کو ایک دوسرے سے اس طرح ملایا کہ بناوٹ کا احساس نہیں ہوتا۔ ولیم کو ہندوستان بہت پسند ہے وہ اس کی مختلف تحصیلوں اور اضلاع میں بطور ڈپٹی کمشنر زرعی اصلاحات اور تعلیم کے حوالے سے کام کرواتا ہے جبکہ اس کے آفیسر ان کاوشوں کو ناپسند کرتے ہیں کیوں کہ ان کا مقصد مقامی باشندوں کو پسماندہ رکھ کر حکمرانی کرنا ہے۔

ناول نگار نے متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت اور ان کی ذہنی سازشوں کو بے نقاب کیا ہے کیوں کہ انہوں نے بظاہر خیر خواہی کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا لیکن ان کے اندر مقامی باشندوں کے لیے زہر بھرا ہوا تھا:

> ''ولیم تم ایک انگریز ہو یہاں تمہاری حیثیت حاکم کی ہے ہم یہاں کی زمین سے رومانس نہیں حکومت کرنے آئے ہیں۔'' (۶)
>
> ''دیسی لوگوں کو انصاف فراہم کرو لیکن عدل کے دوران تمہارا ظالم اور مظلوم سے فاصلہ برابر ہونا چاہیے ان کے درمیان فیصلہ کرکے دونوں سے بے تعلق ہو جاؤ اگر مقامی سے سو دفعہ ملو تو ہر بار اجنبی کی طرح۔'' (۷)

ناول نگار انگریز ڈپٹی کمشنر ہیلے کی منافقانہ حکمت عملی کی قلعی کھولتا ہے کہ کس طرح وہ نو وارد اسسٹنٹ کمشنر ولیم کی مفاد پرستی کے لیے ذہنی تربیت کرتا ہے:

> ''تمھاری ہیٹ کی چوڑائی پگڑی سے زیادہ ہونی چاہیے اور سگار کا دھواں حقّے سی تلخ تم ان کی آنکھوں میں دھواں بھرتے رہو تاکہ یہ صاف نہ دیکھ پائیں اس کے بعد جو تمہاری عینک انھیں دکھائے یہ وہی دیکھیں لیکن دھواں تمہاری اپنی آنکھوں کی طرف نہ آنا چاہیے۔''(۸)

ناول کا موضوع ہندو مسلم دشمنی نہیں کہانی انگریز دور کے پنجاب میں شروع ہوتی ہے اور تقسیم کے فسادات کا منظر پیش کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ منظر نگاری کے ساتھ جزئیات نگاری ایک دلفریب فضا تخلیق کرتی ہے جو حقیقت کے قریب دکھائی دیتی ہے۔ قاری خود کو اس فضا کا حصہ سمجھتا ہے۔ لفظیات پر مصنف کی مکمل گرفت ہے۔ ناول کا پلاٹ مربوط ہے تمام واقعات ایک ترتیب سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

اس ناول اہم کردار غلام حیدر جو کہ ایک بڑے زمیندار شیر حیدر کا بیٹا ہے زیر موضوع ناول میں قاری کی غلام حیدر سے ملاقات اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے باپ کے ایک سکھ سردار سودھا سنگھ کے آدمیوں کے ہاتھوں قتل ہونے کے بعد اپنے گاؤں جلال آباد پہنچتا ہے۔ غلام حیدر کے والد کی سوچ روایتی زمینداروں سے مختلف ہے وہ جلال آباد کے تین گاؤں کا زمیندار ہونے کے باوجود اپنے بیٹے کو اس ماحول سے دور رکھنا چاہتا ہے وہ اسے کلکٹر بنانا چاہتا ہے اس لیے اسے تعلیم کے لیے لندن بھیجتا ہے مگر غلام حیدر عدم دلچسپی کی وجہ سے دو سال بعد ہی لوٹ آتا ہے لیکن گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کر لیتا ہے:

> ''شیر حیدر نے اپنی زندگی میں ہمیشہ کوشش کی کہ غلام حیدر جلال آباد سے دور رہے وہ اسے کسی طرح اقتدار کی حویلیوں تک لے جانا چاہتا تھا اسی بات کے پیش نظر لاہور میں اس کے لیے ایک کوٹھی بنوا دی۔ پیسے کی کمی نہ تھی جس کے سبب اعلی سوسائٹی اور کلبوں میں آمدورفت کا سلسلہ ہو چکا تھا۔ انھی مشاغل میں بہت سے ایسے دوست نکل آئے جن کا تعلق اقتدار کے حلقوں سے تھا ان میں خاص کر دو دوست میجر رچرڈ اور نواب افتخار غلام حیدر سے کچھ زیادہ ہی شیر و شکر ہو گئے۔''(۹)

ناول نگار نے غلام حیدر کے کردار کو بڑا مضبوط دکھایا ہے جس میں کوئی اخلاقی برائی نہیں وہ علاقے کے باسیوں، ملازموں، چھوٹوں، بڑوں سب کا خیر خواہ ہے۔ حالات اسے جذباتی بنا دیتے ہیں اس لیے وہ صبر کا مظاہرہ نہیں کرتا اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ سودھا سنگھ سمیت اس کے پندرہ آدمیوں کو اپنے والد کے پرانے دوست ملک بہزاد کی مدد سے دن دیہاڑے قتل کرکے فرار ہو جاتا ہے:

> ''غلام حیدر نے سودھا سنگھ کے دل پر رائفل کی نال رکھ کر گھوڑا دبا دیا۔ غلام حیدر نے میگزین ایک دفعہ پھر بھر لی تھی اس لیے وہ پوری کی پوری سودھا سنگھ پر خالی کر دی اس فائر کے چلنے کے ساتھ ہی خون کے تیز فوارے نے پوری چارپائی لال کر دی۔'' (۱۰)

اس واقعے کے بعد غلام حیدر دس سال تک روپوش رہتا ہے کسی کو اس کے بارے میں کچھ خبر نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے کہ نہیں۔

منظر نگاری کے لیے جزئیات کے ساتھ کرداروں کی پیشکش بہت اہمیت کی حامل ہے۔ واقعات کو آگے بڑھانے اور ایک نیا موڑ دینے کے لیے کردار نگاری کی حیثیت کلیدی ہے۔ جو کردار جواں مردی کے ساتھ حالات کا سامنا کریں اور بخوشی موت کو گلے لگا لیں وہ یاد رکھے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔

ناول کا تیسرا کردار سودھا سنگھ ہے جو اپنی غلط حکمت عملی کی وجہ سے برے حالت کا شکار ہو جاتا ہے۔ غلام حیدر جب اس پر بندوق تان کر کھڑا ہو جاتا ہے تو وہ موت کو سامنے دیکھ کر بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرتا:

> ''غلام حیدر کوئی گل نیئں سودھا سنگھ مرد ہے، زنانی نہیں کہ تیرے آگے بینتی کرے گا مار دے گولی پر گولی سینے پر مارنا اور یاد رکھنا کہ مرد کو مارا تھا۔'' (۱۱)

مبشر علی زیدی اس ناول کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''علی اکبر ناطق دیہی زندگی کی ایسی منظر کشی کرتے ہیں کہ پڑھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں۔ تحریر پڑھتے جائیں آنکھوں کے سامنے فلم چلتی جائے گی ان کے پہلے ناول ''نو لکھی کوٹھی'' نے اردو فکشن میں ان کے بلند مقام کا تعین کر دیا ہے ناطق ہمارے ہی دور کے نوجوان ہیں اس لیے ناول پڑھ کر حیرت ہوئی ہے کہ انہوں نے

کتنی خوبی سے انگریز سرکار کے نمائندوں کی ذہنیت، سکھ رعایا کی معاشرت اور مسلمانوں کے جذبات کی عکاسی کی ہے۔ کیا یہ بتانا ضروری ہے کے ناول کی نو لکھی کوٹھی اوکاڑہ میں واقع ہے اسی اوکاڑہ میں جہاں علی اکبر ناطق نے جنم لیا۔" (۱۲)

ناول کا چوتھا اہم کردار مولوی کرامت ہے جو امام مسجد ہے مگر ولیم سے ملاقات کے بعد اسکول استاد کے منصب پر فائز ہو جاتا ہے ولیم نے بڑی حکمت عملی سے مولوی کو اسکول میں تعینات کروایا۔ کیوں کہ مولوی صاحبان اسکول اور انگریزی کے خلاف تھے۔ اب معاوضے کے عوض مولوی ہر گاؤں میں والدین کو بچوں کو اسکول داخل کروانے کے لیے قائل کرتا ہے یہاں ظاہر اور باطن کا تضاد کھل کر سامنے آتا ہے. مولوی کرمت کا بیٹا فضل دین ولیم کی وساطت سے ملازمت حاصل کر لیتا ہے:

"فضل دین دس تاریخ کو اپنے سرٹیفکیٹ لے کر آجانا گورنر ہاؤس میں کچھ دیسی اسسٹنٹوں کی ضرورت ہے میں آپ کے بارے میں مسٹر جیس کو کہ دیتا ہوں جاؤ اور اس کے لیے تیاری کرو اس کے ساتھ ہی ولیم نے دوبارہ اپنے پی اے کو طالب کر کے فضل دین کے بارے میں ہدایات دیں اور کہا دس تاریخ کو فضل دین آئے تو میرے پاس بھیج دینا۔" (۱۳)

اس کے بعد فضل دین اپنے اکلوتے بیٹے نوازالحق کو تعلیم دلاتا ہے اور تقسیم کے وقت لوٹ مار اور جائیداد بنانے والے والے عملے کے ساتھ مل کر خوب جائیداد بناتا ہے اور چند سالوں میں اس کا شمار امرا و معززین افراد میں ہونے لگا. بیٹیوں کی اچھے گھروں میں شادی ہو جاتی ہے۔ بیٹا تحصیل دار بن جاتا ہے۔ فضل دین کے جنازے میں ہزاروں افراد شریک تھے۔

ناول میں اہم موڑ اس وقت آتا ہے جب غلام حیدر کے خلاف مقدمات ختم کروانے کے لیے مصنف عظیم تاریخی رہنما قائد اعظم محمّد علی کی سفارش کا سہارا لیتا ہے اور ایسی فضا تخلیق کرتا ہے جس میں مسلم لیگ کے انتخابات کے حوالے سے نازک صورتحال دکھائی ہے۔ یہاں نواب افتخار ممدوٹ حق دوستی کی ایسی مثال پیش کرتے ہیں جو شاذو نادر ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ جب قائد اعظم نواب افتخار ممدوٹ سے سیاسی صورتحال پر بات کرتے ہیں تو نواب افتخار اپنے چہرے پر کرب ناک پریشانی طاری کر لیتے ہیں ان کا مقصد

صرف غلام حیدر کو بے گناہ ثابت کرنا تھا۔ یہاں ناول سیاسی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔

نواب افتخار ممدوٹ قائد اعظم کے استفسار پر کہتے ہیں :

> ''سر پنجاب میں ہر طرف حالات مسلم لیگ کے حق میں ہیں جیسا کہ سب کچھ آپ کے سامنے ہے لیکن مشرقی پنجاب کے کچھ علاقوں میں پوزیشن ٹھیک نظر نہیں آتی اندیشہ ہے تحصیل جلال آباد، تحصیل مکھسر اور تحصیل فیروز پور سے ہم الیکشن ہار جائیں گے۔'' (۱۴)

قائد اعظم جیسے زیرک رہنما کا نواب ممدوٹ کی باتوں پر بلا تحقیق یقین کر لینا ناول کو فکری اعتبار سے کمزور کرتا ہے۔

قائد اعظم نواب افتخار سے کہتے ہیں تمہاری شکست کا مطلب مسلم لیگ کی پنجاب میں شکست ہے۔ ہر حالت میں اپنی پوزیشن بہتر کرو. نواب افتخار نے غلام حیدر کے لیے رہ ہموار کرتے ہوئے کہا:

> ''میرا ایک دوست غلام حیدر ہے جس نے میرے ساتھ ایچی سن کالج سے بی اے کیا ہے وہ مسلم لیگ کا انتہائی سرگرم رکن ہے اس پر اسی دن سے پورے پندرہ بندوں کے قتل کا مقدمہ درج ہے جس دن اس نے مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کی اس کی وجہ سے وہ پچھلے دس سال سے روپوش ہے اور اپنے علاقے میں داخل نہیں ہو سکا۔'' (۱۵)

یہاں ناول نگار نے من گھڑت قصہ تیار کر کے تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے اس سے بڑھ کر ستم یہ کہ قائد اعظم بھی یقین کر لیتے ہیں جب نواب افتخار کہتے ہیں :

> ''جب تک میری گاڑی میں غلام حیدر نہیں بیٹھ جاتا اور میرے جلسوں میں شریک نہیں ہو جاتا مجھے الیکشن نہیں لڑنا چاہیے ورنہ مجھے ذلت سے دو چار ہونا پڑے گا اوکے دیکھتے ہیں جناح نے اٹھتے ہوئے کہا تم الیکشن کی تیاری کرو میری تین تاریخ کو ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات ہے۔'' (۱۶)

دو ہفتے بعد ہی غلام حیدر کی سزا بھی معاف ہو گئی اور اس کی جائیداد کی واپسی کا حکم بھی پہنچ گیا وہ

دھوم دھام سے جلال آباد میں داخل ہوا. ناول کے اس حصہ میں مصنف نے دو اہم تاریخی کرداروں کے حوالے سے جو منظر نامہ اور گفتگو پیش کی ہے اس ضمن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ واقعی یہ صورت حال پیش آئی تھی یا مصنف کے تخیل کی پیداوار ہے پیشکش میں تو حقیقی رنگ بھر دیا ہے اور واقعات کو پلاٹ کے مطابق ترتیب دینے کی کوشش کی ہے اب غلام حیدر نے مسلم لیگ کی انتخابی مہم میں بھرپور حصہ لیا. الیکشن میں اہم کردار ادا کیا تھا نواب افتخار کی توقع سے بھی بڑھ کر کامیابی حاصل کی۔

اس کے بعد فضا یکلخت تبدیل ہو جاتی ہے ہر طرف سے فسادات کی تیز آندھی چلتی ہے اور ہر شے کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہیں اب غلام حیدر سب کچھ چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پاکستان کے طرف آتے ہوئے سرحد عبور کرتے ہوئے گولی کا نشانہ بن کر مارا جاتا ہے۔

ناول کا آغاز جس برطانوی باشندے ولیم سے ہوتا ہے تقسیم کے بعد وہ پیچیدہ صورتحال کا شکار ہو جاتا ہے کیوں کہ اوکاڑہ اور اس میں موجود "نولکھی کوٹھی" پاکستان کے حصے میں آجاتی ہے. ولیم اپنے قریبی رشتوں کی قربانی دے کر اس کوٹھی کو اپنی آخری پناہ سمجھتا ہے لیکن بعد کے سرکردہ آفیسر اسے کوٹھی چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں وہ اپنے دوست ایشلے کی ویران، بھوت بنگلہ کوٹھی میں منتقل ہو جاتا ہے وہ اس کی یادوں کے سہارے جینے کی کوشش کرتا ہے. اسی کسمپرسی میں فوت ہو جاتا ہے اور وہی قریبی گاؤں میں دفن کر دیا جاتا ہے۔

یہاں اگر ولیم کے عروج کے بعد اس کے زوال پر نظر دوڑائیں تو اس کا وجود عبرت کا نمونہ پیش کرتا ہے قاری کو ولیم سے ہمدردی محسوس ہوتی ہے جو ہندوستان کو ہی اپنا آبائی وطن سمجھتا ہے اور یہاں سے جانے کی سوچ اس کے لیے سوہانِ روح ثابت ہوتی ہے۔ ولیم کو اس کوٹھی سے دربدر کروانے والا تحصیل اوکاڑہ کا نیا اسسٹنٹ کمشنر نواز الحق مولوی کرامت کا پوتا تھا جو اپنی ترقی کے عوض یہ کوٹھی سید شمس الحق گیلانی کے نام منتقل کر دیتا ہے۔

مجسٹریٹ جب کوٹھی خالی کروانے کے لیے ولیم کے پاس آتا ہے ولیم جواب میں جو کہتا ہے وہ قابل غور ہے:

"آپ دیکھ رہے ہیں میں اتنا بوڑھا ہو گیا ہوں کہ اس لکڑی کے بغیر چلنے میں میرے

گھٹنے درد کرتے ہیں کاندھے پر چادر پھیلانے کے لیے ہاتھ اٹھاؤں تو بازوؤں کے سرے کانپ اٹھتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ میں اس ملک میں اتنا اجنبی ہوں کہ میری پرسش کو اس وقت ایک چیونٹی تک نہیں آئے گی پھر آپ یہ پولیس کس لیے لائے تھے۔"(۱۷)

ناول کے اتنے وسیع کینوس کو اختتام پذیر کرنے کے لیے مصنف خود کو واحد متکلم کے کردار میں پیش کرتا ہے حقیقت میں اس کی ملاقات اس بوڑھے انگریز ہوئی تھی۔ وہ اپنے دوست احمد شہزاد لالہ کے ساتھ نولکھی کوٹھی دیکھنے گیا۔ مصنف کے مطابق غالباً ۱۹۹۲ء کے لگ بھگ یہ بوڑھا فوت ہو گیا وہ اس بوڑھے ولیم کی موت اور وہاں کے لوگوں کی بے حسی کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"آج میں پھر ان ٹھنڈی ہواؤں کا لطف لیتے ہوئے غیر ارادی طور پر اس طرف بڑھ رہا تھا مگر جیسے اس کوٹھی پر پہنچا وہاں اور ہی رنگ تھے مصلیوں کے بچے صحن میں اچھل کود رہے تھے ذرا غور کیا تو پتہ چلا وہاں کوئی اور خاندان آباد ہے میں نے جائزہ لینے کے لیے بھرپور نظر ماری لیکن مجھے ولیم نظر نہ آیا بالآخر انہی میں سے ایک آدمی سے پوچھا یہاں ایک بوڑھا انگریز تھا وہ کہاں ہے ؟اس نے انتہائی لاپرواہی سے جواب دیا تھا کا کا اسے فوت ہوئے بھی ہفتہ ہو گیا ہے۔ پنچ چک کے عیسائی اسے اٹھا کر لے گئے ہیں وہیں کے گرجا گھر میں اس کی قبر ہے۔"(۱۸)

اتنا وسیع کینوس اچانک اور غیر متوقع طور پر سمٹ جاتا ہے۔ اس کے اختتامی جملے دیکھیں:

"ہر چیز ویسے خوبصورت تھی جیسے پہلے تھی۔ کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔"(۱۹)

بہر حال یہ جاندار اسلوب کا کمال ہے کہ یہ ناول محض فکشن محسوس نہیں ہوتا۔ ناول نگار نے ایک زیرک فنکار کی طرح دوسروں کی واردات کو اس طرح بیان کیا ہے جیسے یہ سب اس کے ساتھ یا اس کے سامنے بیتا ہے ناول میں ہئیت اور تکنیک کا تجربہ زیادہ رچاؤ کے ساتھ سامنے آیا ہے۔

کسی بھی تحریر کے حوالے سے اس کا خالق حتمی رائے کا اظہار کرے تو اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے اور قاری کی ذہنی گتھیاں سلجھتی چلی جاتیں ہیں۔ دیگر قارئین اور مبصرین تو اپنے وژن کے مطابق اظہار

رائے کرتے ہیں "نو لکھی کوٹھی" کے حوالے سے مصنف کی ذاتی رائے بعنوان "نو لکھی کوٹھی" کا خیال کیسے آیا؟ ناول کا شاندار تعارف ہے جس کا اظہار مصنف نے اپنی فیس بک پیج پر کیا ہے اور اس کی وجہ بھی بتائی ہے۔ اس ناول کی پہلی اشاعت اور چیدہ چیدہ واقعات کا ذکر کیا ہے:

> "نو لکھی کوٹھی" کے متعلق میں یہ دعویٰ۔۔۔ تو ابھی نہیں کر سکتا کہ وہ اساطیر کے درجے تک پہنچ چکی ہے البتہ احباب کی طرف سے اس ناول کے متعلق پوچھے جانے والے سوالات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مجھے یہ ناول لکھنے کا خیال کیوں اور کیسے آیا میں چوں کہ پوری طرح سے اس کا جواب دینے سے قاصر تھا لہٰذا ہمیشہ خاموشی اختیار کر لی اب جب کہ اس کا انگریزی ترجمہ پینگوئن (انڈیا) چھاپنے جا رہا ہے۔ جسے نائمہ راشد نے بہت محنت سے تکمیل تک پہنچایا ہے تو یہی سوال دوبارہ جنم لے چکا ہے چناں چہ ناول کے آغاز کرنے کے متعلق چند ایک باتیں لکھنا چاہوں گا سب سے پہلے میرا ایک پس منظر سن لیں ہمارا خاندان تقسیم سے پہلے مشرقی پنجاب کے ضلع فیروز پور کی تحصیل جلال آباد میں رہتا تھا یہ کافی بڑا خاندان تھا وہاں ان کا گاؤں جھنڈں والا تھا جہاں سکھ مسلمان جھگڑے عروج پر تھے اور انگریز کی حکومت تھی۔"(۲۰)

مصنف کی رائے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناول کی بُنت تخّیل اور حقیقت کی آمیزش سے کی گئی ہے ناول میں بہت سے واقعات ایسے ہیں جو مصنف نے حقیقت میں اپنے بزرگوں سے سنے اور نو لکھی کوٹھی سمیت بہت سے مقامات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سہیل بخاری، اردو ناول نگاری (لاہور: مکتبہ جدید، باراول، ۱۹۶۰ء)، ص ۱۲۔

۲۔ ڈاکٹر مہرونہ لغاری، تہذیبی تنوع اور اردو ناول (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۲۰ء)، ص ۴۳۔

۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی، "بیک فلیپ"، مشمولہ: نو لکھی کوٹھی، از علی اکبر ناطق (جہلم: بک کارنر، اشاعت ششم، ۲۰۲۰ء)۔

۴۔ انتظار حسین، ''بیک فلیپ''، مشمولہ: نو لکھی کوٹھی، از: علی اکبر ناطق (جہلم: بک کارنر، اشاعت ششم، ۲۰۲۰ء)۔

۵۔ علی اکبر ناطق، نولکھی کوٹھی (جہلم: بک کارنر، اشاعت ششم، ۲۰۲۰ء)، ص۹۔

۶۔ ایضاً، ص۳۲۔

۷۔ ایضاً، ص۳۳۔

۸۔ ایضاً، ص۳۳۔

۹۔ ایضاً، ص۳۷۔

۱۰۔ ایضاً، ص۲۹۶۔

۱۱۔ ایضاً، ص۲۹۶۔

۱۲۔ مبشر علی، زیدی، ''بیک فلیپ''، مشمولہ: نو لکھی کوٹھی، از: علی اکبر ناطق (جہلم: بک کارنر، ۲۰۲۰ء)۔

۱۳۔ علی اکبر ناطق، نولکھی کوٹھی، ص۲۳۲۔

۱۴۔ ایضاً، ص۳۴۹۔

۱۵۔ ایضاً، ص۳۵۰۔

۱۶۔ ایضاً، ص۳۵۰: ۳۵۱۔

۱۷۔ ایضاً، ص۴۳۴۔

۱۸۔ ایضاً، ص۴۴۷۔

۱۹۔ ایضاً، ص۴۴۸۔

20. Ali Akbar Natiq www.facebook.com.